تیرھویں صدی عیسوی کی چند دوسری اہم فارسی کتابوں میں جو ہندوستان میں تصنیف یا ترجمہ ہوئیں حسن نظامی نیشاپوری کی تاریخ موسوم بہ تاج المآثر[1]۔ محمد علی بن حامد بن ابی بکر کوفی کی تاریخ کا عربی سے فارسی میں ترجمہ بنام چچ نامہ (یا فتحنامہ سندھ یا تاریخ ہند و سند) مویدبن محمد جاجرمی کے قلم سے امام غزالی کی مشہور عربی تصنیف احیاء العلوم الدین اور ابوبکر کاسانی کے قلم سے بیرونی کی کتاب صیدنہ (موضوع طب یا دارو شناسی) کا ترجمہ تاریخی اہمیت کے لحاظ سے قابلِ ذکر ہیں[2]۔ اسی عہد میں (۶۲۳ھ سے قبل اور التمش کے دور کے ذرا بعد) شیخ شہاب الدین سہروردی کی مشہور تصنیف عوارف المعارف کا ترجمہ فارسی میں قاسم داؤد نے ملتان میں کیا اور اسے تاج الدین ابوبکر نامی ایک سردار کے نام معنون کیا جو کچھ مدت کے لئے اس علاقہ میں بادشاہ ہو گیا تھا

اس عہد کی ممتاز ترین شخصیتوں میں سدید الدین محمد عوفی کا شمار ہوتا ہے۔ عوفی کے بارہ میں (مرحوم) شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ وہ واعظ خطیب اور ایک قادر الکلام شاعر بھی تھا اور یہ کہ دربار قباچہ کے علم پرور اور ادب نواز ماحول میں اس نے الفرج بعد الشدۃ کا فارسی میں ترجمہ کیا[3]۔

غوری اور مملوک سلاطین کے وزراء بھی اپنی علم دوستی میں کچھ کم نہ تھے۔ ناصر الدین قباچہ کا وزیر عین الملک اشعری ذاتی طور پر صاحب کمال اور با ذوق ہونے کے ساتھ ساتھ ارباب علم و فن کی سرپرستی کی صفت میں بھی ممتاز تھا۔ اسی کے سایہ حمایت میں عوفی نے شعراء کا مشہور تذکرہ لباب الالباب پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ عوفی کے متعدد قصاید قباچہ اور عین الملک کی مدح

---

[1] اشوری کا کہنا ہے کہ اس نے یہ کتاب ۶۰۲ھ (مطابق ۱۲۰۵ء) میں لکھنا شروع کی اور اس میں سلطان معز الدین محمد بن سام، قطب الدین ایبک اور التمش کے کارناموں اور ہندوستان کے معرکوں کا ذکر ہے۔ ایبک ہی کے ایماء پر یہ کتاب مرتب ہوئی اور اسی کے نام منسوب ہے۔

[2] یہ تفصیلات بیشتر ڈاکٹر ممتاز علی خان کی متذکرہ بالا کتاب سے جس میں بڑی کاوش کے ساتھ تیرھویں صدی کی چند اہم فارسی تصانیف کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے، ماخوذ ہیں۔ [3] ارمغان پاک، ص ۳۷

میں ملتے ہیں۔ اس کی دوسری تصنیف جوامع الحکایات ولوامع الروایات کا آغاز قباچہ ہی کی خواہش پر ہوا تھا۔ اس مشہور ادیب کو سلطان شمس الدین التتمش کے دانشمند اور علم دوست وزیر قوام الدین نظام الملک محمد جنیدی کی سرپرستی بھی حاصل رہی۔ احیاء العلوم کا ترجمہ (جس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے) حقیقتاً اسی وزیر کی خواہش کا نتیجہ تھا غوریوں کے عہد اقتدار میں جس کا اختتام التتمش کے ہاتھوں قباچہ کی شکست پر ہوتا ہے، ہندوستان (خاص طور سے شمالی اور مغربی علاقہ) فارسی زبان اور علوم کا اتنا بڑا گہوارہ نہیں بن سکا تھا جتنا کہ تیرھویں صدی عیسوی میں دہلی سلطنت کے قیام کے دوران اور اس کے بعد ہوا، گویا ایک مرکزی حکومت کے قیام نے علم وادب کی بیشتر ترقی کے لئے بڑے مساعد حالات پیدا کر دئے اور تہذیب وتمدن کی راہیں زیادہ روشن کردیں۔ اس زمانہ میں ایران اور دوسرے بلاد اسلامی پر تاتاری حملہ نے جو قیامت کی تباہی، غارتگری اور قتل وخون کی مصیبت نازل کی، اس کے نتیجہ میں بالعموم ایرانیوں اور خصوصاً خراسانیوں اور ترکوں نے ایک بہت بڑی تعداد میں ہندوستان کو اپنی گریزگاہ اور ملجا وماوی قرار دیا۔ التتمش کے مراحم خسروانہ اور دارالخلافہ دہلی کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے طبقات ناصری کا مصنف منہاج سراج جوزجانی لکھتا ہے کہ:

"واین شہر بکثرت انعامات وشمول کرامات آن پادشاہ دیندار مطار رجال (رحال؟) آفاق گشت، وہرکہ از حبایل حوادث بلاد عجم ونکبات کفار مغل بفضل ایزدی خلاص یافت، ملاذ وملجا ومہرب ومامن حضرت جہان پناہ آن پادشاہ ساخت"[1]

ان شاعروں کے علاوہ جن کا ذکر لباب الالباب میں ملتا ہے، جیسے حمیدالدین مسعود بن سعد شالی کوب[2] (دورۂ اول)، محمد الکاتب البلخی[3] فضلی ملتانی (ص ۴۲۳)

[1] طبقات ناصری، عبدالحی حبیبی، کابل اڈیشن، ج ۱، ص ۴۴۱۔
[2] عوفی نے لکھا ہے کہ "از احرار خطہ لوہور بود .... وشعر وی ترین عنصری ورودکی" الخ۔ (لباب، ج ۲، ص ۲۱۱) [3] عوفی (ایضاً، ص ۴۲۰۔ ۴۲۱) نے لکھا ہے کہ "در شعر عدیل انوری بود" الخ

اور ضیاء الدین سجزی (ص ۲۲۴)[1] اور ناصری، اور امیر روحانی وغیرہ (عہد دو حد با التتمش)[2] سلطنتِ دہلی کے اولین اور ممتاز شاعروں میں سراج الدین خراسانی المتخلص بہ سراج یا سراجی[3] جمال الدین ہانسوی اور تاج الدین ریزہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔

ان حضرات نے فارسی شعر و ادب کی ترقی کے لئے زمین ہموار کی اور کاروانِ فن و سخنوری منزلِ ارتقاء کی سمت چل پڑا۔ اس عہد میں عام طور سے صنفِ قصیدہ کا چلن زیادہ تھا اور شعراء کے کلام کا بیشتر حصہ مدحیہ شاعری پر مشتمل ہوتا تھا۔ ان سخنوروں کے علاوہ جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے، اس صدی کے دوسرے شعراء یعنی شہاب مہرہ، عمید سنامی[4] شمس دبیر وغیرہ کے کلام میں بیشتر یہی رنگ غالب ہے۔

اس روشِ عام سے ہٹ کر ہندوستانی فارسی ادب، علوم اور خاص طور سے شاعری کو حیاتِ تازہ عطا کرنے والی شخصیت امیر خسرو (۱۲۵۳ء تا ۱۳۲۵ء)[5] کی تھی جنھوں نے اس زمین کو آسمان بنا دیا۔ بقول شیخ محمد اکرام "ہندوستان میں اب شعر و سخن کی زمین تیار تھی، فقط کسی صاحبِ کمال کا انتظار ہو رہا تھا جو اس زمین کا رتبہ آسمان تک پہنچا دے۔ وہ کمی امیر خسرو نے پوری کر دی جو اقبال سے پہلے پاکستان و ہند کے سب سے برگزیدہ

---

[1] موخر الذکر تین ناصر الدین قباچہ کے دامنِ دولت سے وابستہ تھے۔
[2] بدایونی، ج ۱، ص ۶۵۔
[3] شیخ محمد اکرام نے ارمغانِ پاک (ص ۳۹) میں لکھا ہے کہ "بھارت کا سب سے پہلا فارسی شاعر غالباً تاج الدین ریزہ" تھا لیکن پروفیسر نذیر احمد کی تحقیق کے مطابق دہلی سلطنت کا پہلا بڑا شاعر سراجی تھا جو تاریخی اعتبار سے شیخ جمال الدین ہانسوی اور تاج ریزہ پر تقدم رکھتا ہے۔ ۱۹۶۶ء میں پروفیسر نذیر احمد نے سراجی کا مکمل دیوان مع مقدمہ حواشی اور تعلیقات شائع کیا ہے۔
[4] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقالہ بعنوان "تیرھویں صدی کا ایک اہم شاعر — عمید تولکی سنامی" از پروفیسر نذیر احمد، فکر و نظر، اکتوبر ۱۹۶۵ء۔
[5] پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنے مضمون "حضرت امیر خسرو دہلوی — افکار و شخصیت" (فکر و نظر اکتوبر ۱۹۶۵ء) میں اس عظیم فنکار اور ادیب کی شخصیت کے چند اہم پہلوؤں پر ایک نئے زاویہ سے روشنی ڈالی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو۔ امیر خسرو۔ عہد، فن اور شخصیت از عرش ملسیانی۔

شاعر تھے اور جن کا سکہ ماننے والوں میں سعدی اور جامی جیسی مشہور ہستیاں تھیں۔[۹]

کون سا میدانِ ادب و شعر تھا جس کو اس صاحب کمال ادیب، انشاپرداز اور شاعر نے تشنہ چھوڑا ہو۔ خارجی شاعری کے علاوہ داخلی اور کیفیاتی شاعری کے لئے انھوں نے غزل اور مثنوی سے کام لیا۔ صاحب ارمغان پاک نے جامی کا بیان یوں نقل کیا ہے:

"امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ در شعر مستثنا است، قصیدہ و غزل و مثنوی ورائے[۱۰] ہمہ بکمال رسانیدہ ...... غزلہای او بواسطہ معنی آشنائی کہ ارباب عشق و محبت بحسب ذوق و وجدان خود آنرا در می یابند، مقبول ہمہ کسی افتادہ است۔ خمسہ نظامی را بہ ازدی کسی در جواب نگفتہ"[۱۱]

دولت شاہ سمرقندی نے تذکرۃ الشعراء (ص ۲۴۰) میں لکھا ہے کہ (تیمور کے پوتے اور شاہرخ کے بیٹے) سلطان سعید بایسنغر نے اپنے ذوقِ ادبی کی بنا پر امیر خسرو کے کلام کی جمع آوری، تدوین اور ترتیب میں بڑا اہتمام کیا تھا، اس کو امیر کی ذات اور کمالات سے اس قدر شغف تھا کہ وہ خواجہ خسرو کے خمسہ کو خمسہ نظامی گنجوی پر ترجیح دیا کرتا تھا۔ اس کے برعکس الغ بیگ (شاہرخ کا دوسرا بیٹا جو اس کے بعد تخت نشین ہوا) چونکہ شیخ نظامی کا معتقد تھا لہٰذا خمسہ نظامی کو برتر اور بہتر خیال کرتا تھا اور بایسنغر کی رائے سے متفق نہ تھا۔ متعدد باران دو عالم و فاضل شہزادوں کے درمیان اس اختلاف رائے نے شدت اختیار کی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں خمسوں کے ہر ہر بیت کا باہم موازنہ اور مقابلہ کرنا پڑا۔[۱۲]

---

[۱۰] ارمغان پاک، ص ۴۲۔

[۱۱] ارمغان پاک، ص ۴۳۔ لیکن اس عبارت کے مآخذ کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ نفحات الانس، مطبوعہ نول کشور میں خسرو یا نظامی گنجوی کے ذکر کے ذیل میں جامی کا یہ بیان نہیں ملتا۔

[۱۲] اس اقتباس سے نہ صرف خسرو کی عظمت سخنوری کا ثبوت فراہم ہوتا ہے بلکہ یہ حقیقت بھی مترشح ہوتی ہے کہ تیموری شاہزادے علم و ادب کے کس قدر دلدادہ، کتنے باذوق اور معارف پرور تھے اور علم و فن اور شعر و ادب کا کس قدر زبردست شعور ان کو حاصل تھا۔

81983
Date 2.1.82

نکتہ سنجانِ علم وفن اور نقادانِ شعر وسخنوری بہ اتفاقِ رائے ان کو ہندوستان کا سب سے بڑا فارسی گو شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی ساحرانہ شخصیت میں مجاز اور معنویت کا حسین سنگم ملتا ہے۔ سلطان المشائخ حضرت سلطان جی نظام الدین اولیاء کے چہیتے مرید اور ایک صاحبدل صوفی کی حیثیت سے سلوک وطریقت کے مدارج بھی انھوں نے طے کئے تھے[1]۔ فنِ موسیقی میں مہارت، ذوق وجدان اور درکِ معنوی نے ان کی شخصیت کے جمال وکمال کو اور بھی نکھار دیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ایک نہایت کامیاب ندیم اور درباری بھی تھے محمد قاسم ہندو شاہ استرابادی جوان کو ہندوستان کے مشائخ میں شامل وشمار کرتا ہے لکھتا ہے کہ وہ بانوے (۹۲) کتابوں کے مصنف تھے "....... وبرکات آں بجدی ظاہر شد کہ نود ودو کتاب در سلک نظم کشیدہ[2]...."

بقول اسٹوری اگر یہ بیان صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ان کے آثار کا بیشتر حصہ زمانہ کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکا۔ بہر نوع اس جامع کمالات ادیب اور شاعر کے علمی اور ادبی کارناموں میں حسب ذیل آثار آج بھی محفوظ ہیں اور ہماری دسترس سے باہر نہیں۔

۱۔ پانچ دواوین ۔ تحفۃ الصغر، وسط الحیات، غرۃ الکمال، بقیہ نقیہ اور نہایت الکمال۔

۲۔ خمسہ نظامی کی تقلید میں پانچ مثنویاں یعنی مطلع الانوار، شیریں وخسرو، مجنون لیلی، آئینہ سکندری اور ہشت بہشت۔

---

[1] جامی نے لکھا ہے کہ اپنے پیر کی خدمت میں انھوں نے روحانی مجاہدے کئے تھے اور شراب معرفت کی لذت اور چاشنی سے بہرہ ور تھے اور اس ذوقِ دروں کا ثبوت ان کے اشعار سے ملتا ہے۔ اسی کیفیت عشق کی بنا پر وجدان وحال کی کیفیت ان پر طاری رہتی تھی۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن ہر شخص کسی نہ کسی چیز پر فخر کرے گا اور مجھے اپنے ترک اللہ یعنی خسرو کے سوزِ قلبی پر فخر ومباہات کا موقعہ ہوگا (نفحات الانس، نول کشور ص ۳۹۸) یہی بات دولت شاہ نے تذکرۃ الشعراء (ص ۲۳۹) میں یوں لکھی ہے ـــ شیخ الشیوخ نظام الحق والدین الاولیاء بارہا برزبانِ مبارک راندی کہ روزِ حشر امید دارم کہ مرا بسوز سینۂ این ترک بچہ بخشند"

[2] تاریخ فرشتہ، نول کشور، ج ۲، ص ۴۰۲۔

۳۔ نثر مرصع یا فن واصول ترصیع نگاری پر رسایل الاعجاز یا اعجازِ خسروی۔

۴۔ کتاب افضل الفواید۔ اقوال و ملفوظ حضرت نظام الدین اولیاءؒ (اس کی نسبت خسرو کی جانب مشکوک ہے)

۵۔ تواریخی منظومات میں مثنویات بعنوان قران السعدین، مفتاح الفتوح، نُہ سپہر اور تغلق نامہ۔

۶۔ خزاین الفتوح (یا تاریخ علائی) میں سلطان علاء الدین خلجی کی فتوحات کا تذکرہ بڑی مرصع نثر میں پیش کیا گیا ہے۔

۷۔ مثنوی دول رانی خضر خان (یا عشیقہ یا عشقیہ) میں علاء الدین خلجی کے بیٹے خضر خان اور راجہ کرن کی بیٹی کے معاشقہ کا حال نظم کیا ہے۔

اس فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ امیر کو نظم و نثر پر یکساں قدرت حاصل تھی اور وہ مختلف موضوعات پر قلم اٹھانے کی زبردست صلاحیت رکھتے تھے۔[1]

صاحب تاریخ فرشتہ ان کو 'نادرۂ روزگار' کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل بیان کی روشنی میں خسرو کی ذات اور صفات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

---

[1] اگرچہ خسرو پر بہت زیادہ نہیں لکھا گیا ہے لیکن جو کچھ بھی تحقیقی اور تنقیدی کام اب تک ہوا ہے ان میں ڈاکٹر وحید مرزا کی کتاب Khusrau life and work (جس کا ایک اردو ترجمہ و خلاصہ بھی شایع ہو چکا ہے) ہماری حقیر رائے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر وحید مرزا نے مثنوی نہ سپہر بھی ۱۹۴۸ء میں کلکتہ سے شایع کی۔ نیز ملاحظہ ہو Hazrat Amir Khusrau of Delhi از مرحوم پروفیسر محمد حبیب (علی گڑھ) اور مولانا احسن مارہروی (مرحوم) کی اردو تصنیف "حیات و کلام امیر خسرو" (علی گڑھ)۔ ابھی حال میں حضرت امیر خسرو کی ساتویں سو سالہ برسی کے موقع پر نیشنل امیر خسرو سوسائٹی (۱۹۷۵ء) کی طرف سے جو مختصر کتابچہ شایع ہوا ہے اس میں صرف علی گڑھ سے شائع ہونے والی تالیفات کی تعداد گیارہ بتائی گئی ہے اور ان میں خمسہ، مثنوی دول رانی خضر خان، قران السعدین، دیوان وسط الحیات، جواہر خسروی (تصنیف امین چریا کوٹی، ۱۹۱۸ء) خزاین الفتوح اور مفتاح الفتوح شامل ہیں۔ مثنوی تغلق نامہ ۱۹۳۳ء میں حیدرآباد سے شایع ہوئی۔ اسی کتابچہ میں چند اور متنوں اور تصانیف کا ذکر ہے جو ابھی شایع نہیں ہوئیں۔

"..... واز شعرای وقت پادشاہ علاء الدین کہ دار الملک دہلی بلکہ تمام ہندوستان بوجود عدیم المثال ایشاں زیب وزینت داشت وصیت سخنوری ایشاں عالم را فرا گرفتہ بود، وچندکسی کہ دریای تخت بودند، سرآمد ایشاں امیر خسرو بود کہ در فنون سخن واختراع معانی ید بیضا داشت وآثار فضل ومناقب او از تصنیفاتی کہ در نظم ونثر کردہ واضح ولایح است[۱] معہذا صوفی صاحب وجد وحال بود واکثر اوقات او در صوم وصلوٰۃ گذشتی واز عشق ومحبت نشاط تمام داشتی..."

خسرو کی شخصیت میں ہمیں اپنی گنگا جمنی تہذیب کی تصویر پوری برنائی کے ساتھ جھلکتی نظر آتی ہے۔ حقیقتاً وہ اس مشترکہ کلچر کی نمایندگی کرتے ہیں جس کی اساس ہند ایرانی ثقافت کے لطیف ترین عناصر کی باہم آمیزش پر قایم ہے وہ خود کو "ترک ہندوستانی" کہنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ انھوں نے تنہا اپنی ذات سے ہندوستانی تہذیب کو مختلف حیثیتوں سے بہت کچھ دیا ہے۔

وجد وحال کی محفلوں میں ان کی غزلیں اور گیت آج بھی جس ذوق وشوق سے گائے جاتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ملک کے تہذیبی اور ثقافتی ماحول میں ان کو کس قدر مقبولیت حاصل ہے۔

سلوک وتصوف، عشق معنوی اور عرفان وآگہی نے جو سوز دروں ان کو بخشا تھا وہ ان کی مترنم اور والہانہ غزلوں کے روپ میں جھلکا۔ ان کے روحانی تاثرات اور مسلک وحدت پرستی نے جس میں مذہب وملت کی تفریق نہ تھی اور جو انسان دوستی کے مستحکم ستون پر قایم تھا ہمارے ملک کے مختلف صوفی رہنماؤں کے اقوال اور افکار ونظریات پر گہرا اثر ڈالا ہے۔

---

[۱] تاریخ فرشتہ، نول کشور، کانپور، ج ۱، ص ۱۳۱۔